

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

سنت کا تاریخی کردار

بہ مصطفیٰ برسوں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

خورشید احمد

ملت اسلامیہ کو تاریخ اقوام میں جو منفرد حیثیت حاصل ہے وہ جلاہ و اقتدار، دولت و ثروت، ایچلو و اکتشاف، قوت و سطوت یا نسل و نسب کی بنیاد پر نہیں، اس کی نسبت ایک اور صرف ایک ہے۔۔۔ یعنی عقیدہ اور دین کی بنیاد پر وجود میں آنے والی ایک صاحب دعوت قوم۔ ع۔۔۔
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اس امت کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، یہی اس کی اساس ہے اور یہی اس کی شان امتیاز۔ اسے وجود بخشنے والی اور اسے قائم و دائم رکھنے والی قوت ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت، آپؐ کی لائی ہوئی ہدایت، آپؐ کی روشن سنت اور آپؐ کے طریقے پر زندہ رہنے کی خواہش اور کوشش ہے۔ یہی اس کی طاقت کا اصل سرچشمہ، اس کا حقیقی حرمیہ حیات اور اس کی بقا اور ترقی کا نسخہ ہے۔۔۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردہ یک نو بہاریم

اس امت کی زندگی اور اس کی پوری تاریخ میں ذات رسالت مآب کو اصل مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپؐ ہی کی شہوت پر قرآن کو اللہ کا کلام اور آپؐ کو مالک السموات والارض کا آخری نبی مانا اور اسی

ایمان اور عقیدے پر ایک امت کا وجود قائم ہوا، جس کا مقصد وجود اسی مشن کی خدمت قرار پایا، جو آپ کی زندگی کا مقصد اور مشن تھا۔ اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو نبی اکرم کی ذات اور آپ کا نمونہ اور سنت وہ محور ہے جس پر یہ ملت قائم ہے۔ قرآن پاک اور آپ کی سنت دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جیسا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ کا سر پہ قرآن ہی کا عکاس تھا (صحن خلقہ القرآن)۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے تھے وہ وحی الہی کے نور سے منور ہوتا تھا، وَمَا يَنْطَلِقُ مِنَ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۳۵۳-۳)۔ اور جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۸۰:۴)۔ آپ نے حجت الوداع کے موقع پر جو دائمی ہدایات دیں ان میں سرفہرست یہی تھی کہ میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں: کتب اللہ اور اللہ کے رسول کی سنت، اگر ان سے مربوط رہو گے تو کامیاب ہو گے۔ یہی وہ سنت ہے جس نے دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ملت کے شیرازے کو مجتمع رکھا ہے، اس کے لیے مرکز و محور کا کلام کیا ہے، یہ وہ نشان راہ ہے جسے دیکھ کر اہل حق نے خود راستی اختیار کی اور راہ راست کی طرف اللہ کے بندوں کو بلایا۔ یہی وجہ ہے کہ سارے تنوع، حتیٰ کہ انحراف و بدعت کے باوجود یہ سنت ہی ہے جس نے ملت کی وحدت اور یک رنگی کو قائم رکھا ہے۔ نیز یہی وہ خدائی نظام ہے جس کے ذریعے نبی آخر الزمان کا دین قیامت تک زندہ و پایندہ رہے گا۔ اس کی تعلیم خود حضور نے علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين کے ارشاد میں دی اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف خود قرآن سبیل للمؤمنین کے بلیغ اشارے کے ذریعے متوجہ کرتا ہے۔ وَمَنْ يُضْحِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصِّبْهُ جَهَنَّمَ (النساء ۸۵:۴) جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو ورنہ آں حالے کہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔

اسلام کسی فلسفیانہ تصور یا مجرد الطبیعیاتی نظریے کا نام نہیں۔ یہ زندگی گزارنے کا وہ سلوا اور سیدھا طریقہ ہے جو دنیا کی زندگی کو خیر و صلاح سے بھر دیتا ہے اور آخرت میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہے۔ فطری طور پر ایسے دین کے لیے جہاں یہ ضروری تھا کہ حقیقت نفس الامری کا بے لاگ انداز میں اور ہر شک و شبہ سے ہٹا ہو کر اعلان و اظہار کرے، وہیں یہ بھی ضروری تھا کہ عقائد، عملات اور معاملات، نیز انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر اہم پہلو کے بارے میں واضح رہنمائی دے تاکہ بندے کا تعلق اپنے رب سے، کائنات اور اس کے وسائل سے اور دوسرے تمام انسانوں اور سماجی اداروں سے صحیح خطوط پر استوار ہو سکے۔ جہاں

قرآن پاک میں اس نظام زندگی کے تمام ضروری خدوخلل واضح کر دیے گئے ہیں وہیں رسول پاکؐ کی زندگی اور آپؐ کے نمونے کی صورت میں اسلامی زندگی کی مکمل تصویر کشی کر دی گئی ہے تاکہ انسان حق کی اس سیدھی راہ پر کسی تکلیف اور تنگی کے بغیر گامزن ہو سکے اور انسانیت کے لیے حیات طیبہ ایک قابل حصول منزل بن سکے۔ سنت کا اصل کارنامہ ہی یہ ہے کہ اول دن سے اس کے ذریعے اسلامی زندگی کی یہ حتابندی انجام پائی ہے۔ حضورؐ سے تعلق محض ایک خبر دینے والے اور ہدایت پہنچانے والے کا سا نہیں بلکہ ہلوی اور رہبر، قائد اور مطاع اور محبوب اور نمونے کا ہے جن سے ایک طرف گرمی محبت و عقیدت ہو تو دوسری طرف ان کی مکمل اطاعت اور اتباع۔ حضورؐ پر ایمان محض ایک نظری تعلق نہیں بلکہ یہ ایک ایسا گمراہ اور جاندار روحانی تعلق ہے جس سے آپؐ ایک مسلمان کو اپنی جان و مال اور اپنے ماں باپ اور دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہو جاتے ہیں اور آپؐ کے ہر قول کی تصدیق اور آپؐ کے ہر عمل اور اشارے کی تعمیل اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے۔۔۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

ایک مسلمان کا دل، رسولؐ اللہ کی قیام گاہ ہے۔ حضورؐ ہی کا اسم گرامی ہمارے لیے عزت و آبرو کا سرمایہ ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ روز اول سے آج تک اور ان شاء اللہ اب تک اس ملت کی شیرازہ بندی کرنے والی قوت یہی سنت رسولؐ ہے۔ مکہ اور مدینہ میں جو شمع روشن ہوئی تھی، اسی کی روشنی سے ملت کی ساری کائنات منور ہے۔ خواہ آپؐ دنیاے تہذیب کا افقی جائزہ لیں یا تاریخ انسانی پر عمودی نظر ڈالیں، صاف نظر آتا ہے کہ مراکش سے میلبورن تک، نیل کے ساحل سے خاک کا شہر تک، ٹوکیو سے واشنگٹن اور مانٹریال تک، مدینہ سے سرائیو تک۔۔۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب، جدھر بھی آپؐ دیکھیں یہ سنت رسولؐ ہے جس نے رنگ و بو، مال و منال، بود و باش، علم و اکتساب کے سارے اختلافات کے بلوجود حضورؐ کے نام لیواؤں میں وحدت و یک رنگی پیدا کر رکھی ہے۔ مہد سے لحد تک، شرب و طعام کے آداب سے معاشرت اور مدنیت کے اسلوب تک، حلال و حرام اور مطلوب و مکروہ کی اقدار، دوستی اور دشمنی کے معیارات تک زندگی کے ہر معاملے میں، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، فرق پیدا کرنے والی چیزیں مقامی اور وقتی ہیں اور وحدت اور یک رنگی پیدا کرنے والی چیز سنت رسولؐ اللہ۔ اسی طرح اگر آپؐ تاریخی تسلسل پر نگاہ ڈالیں تو سارے نشیب و فراز، عروج و زوال، سیاسی اور تہذیبی غلبے اور ٹھکوی کے بلوجود جس چیز نے اس ملت کو ہلکی رکھا، اس کی اصل کو محفوظ رکھا، اسے بار بار تجدید و احیا کی نعمتوں سے مالا مال کیا اور اس کی زندگی اور تہذیب و ثقافت میں تسلسل پیدا کیا، وہ سنت رسولؐ ہے۔ گویا فرد کی زندگی ہو یا خاندان کی،

معاشرت ہو یا معیشت، سیاست ہو یا تہذیب و تمدن، جغرافیائی اعتبار سے دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو اور تاریخی اعتبار سے کوئی بھی زمانہ اور دور، مسلمان مرد اور عورت، مسلمان معاشرے اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی صورت گری اور شیرازہ بندی اسی سنت نبویؐ کا کارنامہ ہے جس کی جڑیں قرآن پاک میں ہیں اور جس کا تسلسل محور ملت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے نسبت اور اس کی پیروی میں ہے۔ بقول جگر۔

ازل ہو یا ابد دونوں اسیر زلف حضرتؐ ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے یہی اک سلسلہ ہو گا

سنت اور ذات رسالت مآبؐ کی اس مرکزی حیثیت کو اقبل نے رموز بے خودی میں بڑی خوبصورتی اور

بصیرت سے پیش کیا ہے۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما از رسالت دینِ ما آمینِ ما
از رسالت صد ہزارِ ما یک است جزوِ ما از جزوِ ما لایتک است

ما ز حکمِ نسبتِ او ملتہم اہلِ عالمِ را پیامِ رحمتہم

قلبِ مومن را کتابش قوت است حکمتش خُلبِ الوریدِ ملت است

زندگی قوم از دمِ او یافت است این سحر از آفتابش تافت است

این سحر از بحرِ بے پایانِ اوست ما کہ یکجا نیم از احسانِ اوست

قوم را سرمایہٴ قوتِ ازو حفظِ سرِّ وحدتِ ملتِ ازو

ہمارا وجود اس دنیا میں رسالت سے ہے۔ رسالت ہی سے ہمیں دین ملا۔ رسالت ہی سے شریعت ملی ○ رسالت ہی کی برکت ہے کہ ہم لاکھوں ہونے کے باوجود ایک ہیں، ہزار ایک جز دوسرے جز سے اس طرح جدا ہوا ہے کہ اسے کبھی الگ نہیں کیا جاسکتا ○ ہم رسول اکرمؐ کی ذات گرامی کے ساتھ نسبت کی بنا پر ملت و قوم بن گئے اور دنیا والوں کے لیے ہم رحمت کا پیغام ہیں ○ رسول اکرمؐ جو کتاب (قرآن مجید) لائے وہ مومن کے دل کے لیے قوت و استحکام کا سامن ہے اور جو حکیمانہ ارشادات حضور اکرمؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے، انھیں ملت کی زندگی میں شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے ○ قوم نے صرف رسول اکرمؐ کے دم سے زندگی پائی۔ یہ صبح اسی آفتاب کی روشنی سے جلوہ ریز ہوئی ○ یہ وحدت کا راز ایک موتی ہے جو رسول اکرمؐ کے بے پایاں سمندر سے نکلا۔ ہم یک جان ہیں تو یہ حضور اکرمؐ ہی کا احسان ہے ○ قوم کو قوت ملتی ہے تو حضور اکرمؐ ہی سے ملتی ہے اور ملت کی وحدت کا راز بھی اسی پاک ذات کی بدولت محفوظ ہے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی کردار دعوت دہتا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس امر پر غور کیا

جائے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو نظام، اللہ رب العزت نے قائم فرمایا ہے وہ کیا ہے اور اس کے آئینے میں مسلمانوں کے عروج و زوال اور تجدید و احیا کے نقوش پر تدبیر کی نگاہ ڈالی جائے۔ بلاشبہ اس کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت قرآن پاک کی حفاظت اور اس کا بحیثیت سرچشمہ ہدایت موجود رہتا ہے۔ تہذیبوں کے تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مذاہب اور نظریے، منجملہ اور عوامل کے، قوموں اور تہذیبوں کے عروج و ترقی کا ذریعہ بنے ہیں، لیکن تہذیبوں کے زوال اور انتشار کے بعد ایک ہی مذہب، اور ایک ہی نظریے کا تجدید و احیا کے لیے بار بار بنیاد بنا امت مسلمہ کے امتیازی پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اور یہ قرآن کے آخری کتاب اور حضورؐ کے آخری نبیؐ ہونے کا فطری تقاضا ہے۔ کتاب ہدایت کی حفاظت کے ساتھ دوسری اہم چیز حضورؐ کا نمونہ ہے جو تاریخی تواتر کے ساتھ محفوظ اور کار فرما قوت کی حیثیت سے ہر دور میں اور ہر مقام پر اس ملت کی تاریخ کو متاثر کرتا رہا ہے۔ اور ہدایت کا یہ صحیفہ اور رہنمائی کا یہ نمونہ بھی ایسا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ تہذیب و تمدن کے ہر دور میں زندگی کے ہر پہلو اور ہر مسئلے کے بارے میں اس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی رہی ہے۔ اس میں ثبات اور تغیر کے تقاضوں کو اس طرح سمودیا گیا ہے کہ یہ کبھی پرانا نہیں ہوتا اور نہ کبھی جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔ مرور ایام کی کوئی کرٹ اسے غیر متعلق اور از کار رفتہ نہیں بنا سکتی۔ یہ تو صبح نو کی طرح ہر دم تازہ اور نور فشاں رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے، اور بلاشبہ ایسا ہی ہے، تو پھر ملت پر مختلف ادوار میں انتشار و انحطاط کے سایے کیوں پڑے اور محکومی اور مظلومی کے دن اسے کیوں دیکھنا پڑے؟ یہ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے اور ہمیں دعوت و ستا ہے کہ اس امر پر غور کریں کہ حضور پاکؐ کی اصل سنت کیا ہے، اور اس کا بے لاگ جائزہ لیں کہ امت نے اس سنت کے ساتھ کب کیا معاملہ کیا ہے۔ اس طرح ہمیں اپنی کمزوریوں اور ناکامیوں کے اسباب معلوم کرنے اور تجدید و احیا کے خطوط استوار کرنے کے لیے ضروری رہنمائی مل سکے گی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول، عمل اور تقریر (جو عمل آپؐ کے سامنے ہوا اور آپؐ نے اسے ناپسند نہ فرمایا) آپ کی سنت ہے اور قرآن کے احکام و ہدایات کی عملی تصویر۔ ہر سنت (خواہ اس کا تعلق بنیادی امور سے ہو یا جزوی سے) کی حفاظت، ان کی تعلیم و تذکیر، ان کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل بھی ہر مسلمان مرد اور عورت اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کی زندگی کا مشن اور ہدف ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تاریخ میں مسلمانوں نے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ماضی میں جو ترقی بھی حاصل ہوئی ہے، اور جو خدمات بھی مسلمانوں نے دنیائے علم و تہذیب کی انجام دی ہیں، جو عزت ان کو تاریخ عالم میں حاصل ہوئی ہے اور ہر پستی کے بعد بلندی کی طرف جو مراجعت ان کے نصیب میں آئی ہے، وہ سنت کے باب میں انھی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ

شیطان قوتیں اس امت اور انسانیت کو اس سرچشمہ ہدایت سے محروم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشش اور سرگرواں رہی ہیں اور ان کا وار ہمیشہ خلی نہیں گیا!

اس سلسلے میں حملے کئی سمتوں سے ہوئے ہیں۔۔۔ کچھ کھلے کھلے مخالفانہ اور جارحانہ اور کچھ بڑے خوبصورت اور دلفریب!

قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور سنت رسولؐ کی حجیت اور تارویحیت پر زہن طعن دراز کرنا تو دشمنوں کا کھلا شیوہ رہا ہے، ماضی میں اور آج بھی۔ لیکن اس کھلی جارحیت نے جتنا نقصان پہنچایا شاید اس سے کچھ کم نقصان ان حسین، معصومانہ، دوستانہ، عاجلانہ، جہلانہ اور ”عارفانہ“ چالوں سے نہیں پہنچا جو اس تاریخ کا ایک قاتل ذکر حصہ ہیں۔ اگر جماعت اور غفلت کے معضرات سے صرف نظر کر بھی لیا جائے، گو یہ بھی بگاڑ اور تباہی کے اہم عاملین میں سے ہیں، تب بھی جن تصورات نے سنت کے تاریخی کردار کو مجروح اور غیر موثر کرنے میں اور انحراف، بدعت اور بگاڑ کو فروغ دینے میں خاصا اہم رول ادا کیا اس میں غلو، عدم اعتدال اور سب سے بڑھ کر اس مشن اور جدوجہد سے انماض ہے جو حضورؐ کی بعثت کا اصل مقصد اور آپؐ کی سنت کا اصل ہدف اور منزل ہے۔

کچھ لوگ صرف اس پر قانع ہو گئے کہ سنت اور سیرت کا تعلق بس حصول ثواب ہے (بلاشبہ حضورؐ سے قرب کی ہر کوشش خیر اور پسندیدہ ہے) لیکن اس کا کوئی تعلق ان کی اپنی زندگیوں اور حق و باطل کی کشمکش میں ان کے کردار سے نہیں۔ کچھ نے اس کو بھی ایک دینی خدمت سمجھا کہ انسانیت کے اس عظیم ترین نجات دہندہ کو بس ایک مافوق الفطرت ہستی میں بدل دیں اور رزم گاہ حیات سے توجہ ہٹا کر کونین کی رتکین خیالیوں سے قلب و نظر کو مسحور کر ڈالیں۔ ایک بڑی تعداد نے بڑے خلوص کے ساتھ بس ساری توجہ کو اپنے پسندیدہ چند انفرادی افعال و اعمال تک محدود کر لیا اور اس سنت کبریٰ کو یکسر نظر انداز کر دیا (انسوس کہ کچھ نے تو اسے بدعت ہی سمجھ لیا) جس کا نمونہ آپؐ نے بحیثیت داعی حق پہلی وحی کی آمد کے وقت سے اپنے وصل کے آخری لمحے تک امت کے سامنے چھوڑا۔ کچھ ستم گر تو یہاں تک بڑھے کہ آپؐ جس تبدیلی اور جس انقلاب کے داعی تھے، اسے بھلا ہی نہیں دیا گیا بلکہ سو طرح سے اسے غیر ضروری اور غیر مطلوب، بلکہ ایک قسم کی دنیواری اور سیاست پسندی تک قرار دے دیا گیا اور ظلم و طاغوت کے غلبے اور استیلا سے ایک شان تقویٰ کے ساتھ سمجھوہ سا کر لیا گیا۔ بقول اقبل۔

گرچہ برب ہائے او نام خدا ست

قبلہ او طاقت۔ فرمان روا ست!

اگرچہ اس کی زبان پر تو خدا ہی کا نام ہے لیکن اس کا قبلہ (طاقت) فرمان روا کی طاقت ہے۔

سنت و بدعت کی کشمکش کا یہ اہم ترین پہلو ہے جس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہم

محض قانون اور فقہ کی زبان میں بت نہیں کر رہے اور ہم دین کے مخلص خادموں کی محدود اور جزوی مساعی کے عدم اعتراف یا تحقیر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ جس نے بھی خلوص کے ساتھ جس حد تک خدمت کی کوئی کوشش کی ہے وہ ان شاء اللہ اتنا ہی مستحق اجر ہو گا، لیکن تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے اس سوال کا جواب بہر حال دریافت کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور امت مسلمہ کے تاریخی کردار کے لیے جو نظام بنایا تھا اور سنت نبویؐ نے اسے جس طرح ایک تاریخی عمل میں تبدیل کیا تھا اس میں رخنے کیسے پڑے؟ یہ امت عروج کی بلندیوں پر پہنچ کر زوال کی پستیوں کی طرف کیوں اتری؟ اللہ کی حاکمیت قائم کرنے والی یہ قوم ایک ہزار سال تک عالمی طاقت بنے رہنے کے بعد خدا کے باغیوں کے ہاتھوں مغلوب و محکوم کیوں ہوئی؟ اور پھر آج جو عالمی کشمکش برپا ہے جس میں یہ امت ایک بار پھر انسانیت کے نجات دہندہ کا کردار ادا کر سکتی ہے، اسے اس لائق کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

ہم لال نظر کو دعوت غور و فکر دینا چاہتے ہیں کہ ترقی کا راستہ صرف اور صرف سنت کے احیاء میں ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب سنت کا حقیقی اور مکمل تصور ہمارے ذہنوں میں ہو اور اس کے مطابق کام کا نقشہ اور انقلاب کا منبج تیار کیا جائے۔ عید میلاد النبیؐ کا بھی اگر کوئی پیغام ہے تو وہ یہی ہے کہ جہاں مسلمان ایک ایک سنت کی پیروی کی فکر کریں وہاں داعی اعظمؑ کی اس سنت کبریٰ کے اتباع کی فکر بھی کریں اور انھی مقاصد کے پیش نظر اور بن طریقہ ہائے کار (methodologies) سے استفادہ کرتے ہوئے کریں جن کا نمونہ آپؐ نے پیش فرمایا تھا۔ یہ قوم درختوں کے دیکھنے میں اتنی منہمک ہو گئی کہ جنگل اس کی آنکھوں سے فراموش ہو گیا۔ ہم چند پھول اور پتوں سے ایسے مسور ہوئے کہ پورے گلشن کو بھول گئے۔ ہماری نگاہوں سے وہ نقشہ اور pattern ہی او جھل ہو گیا جس کے اجزاء یہ سارے گلینے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی خیر کے باوجود وہ عمومی تبدیلی نہیں آرہی اور وہ نظام زندگی قائم و غالب نہیں ہو رہا جس کے برپا کرنے کے لیے یہ سارا نظام ہدایت جاری و ساری کیا گیا تھا اور جسے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قبول کیے جانے پر اس طرح رونما ہونا چاہیے جس طرح بیج سے درخت اور درخت سے پھول پھل رونما ہوتے ہیں۔

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی حق کی شہادت کی زندگی تھی اور آپؐ کی یہی وہ سنت کبریٰ ہے جس کے اتباع کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے۔ **وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ - هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ - مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ - هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ - مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا**

يُكُونَنَّ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج ۷۸:۲۲) ”اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کلام کے لیے جن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔“

سیرت پاک کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلے دن سے حضور اکرمؐ کے سامنے دین کی شہادت، زندگی کے سارے نظام کو اللہ کی حاکمیت کے تحت لانے اور اس کی تنظیم نو کرنے اور حق کو غالب اور فریاد روا قوت بنانے کا ہدف تھا اور مقصد کا یہ شعور، منزل کا یہ احساس اور مستقبل کا یہ ویژن (vision) کسی دور میں بھی اور کسی لمحہ حضورؐ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اللہ کی بندگی اور اللہ کے بندوں کو غیر اللہ کی غلامی سے نجات دلا کر انہیں ایک تاریخ ساز قوت اور بلا ترطاعت بنانا آپ کے پیش نظر تھا۔ انبیائے کرام کی بعثت کا یہ نصب العین ہر لمحہ آپ کے سامنے تھا کہ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ (الحديد ۵: ۲۵) ”ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں۔“

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اور ہدف قرآن نے صاف الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصافات ۹۰:۶) ”وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔“

نزول وحی اور منصب نبوت پر سرفرازی کے بعد جب آپؐ کو دعوت عام دینے کا اذن ہوا تو آپؐ نے خاندان بنی ہاشم کو دوبار دعوت پر بلایا اور ان کے سامنے اپنی بات پیش کی اور فرمایا کہ یہ پیغام دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کا ضامن ہے۔ اسی بات کو ذرا اور کھول کر آپؐ نے بالکل ابتدائی مراحل ہی میں فرمایا: كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تَمْلِكُهَا تَمْلِكُونَ بَهَا الْعَرَبُ وَتَدِينُ وَلَكُمْ بِهَا الْمَعْمُومُ (سیرت ابن ہشام) بس وہ ایک کلمہ ہے جسے اگر مجھ سے قبول کر لو گے تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیر نکلیں کر لو گے اور سارا عجم تمہارے پیچھے ہو گا۔ اس بات کو آپؐ نے قریش کے ایک وفد کے سامنے اس طرح بیان فرمایا: فَان تَقْبَلُوا مِنِّي مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَقٌّ لَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (سیرت ابن ہشام) تم اگر میری دعوت قبول کر لو جسے میں پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔

دین حق کے غلبے اور کامیابی اور عرب و عجم پر اس کلمے کی حکمرانی کا وژن داعی اعظمؐ کی نگاہوں میں اتنا

واضح تھا کہ عین کمی دور کے اس زمانے میں جب اہل حق مظلوم تھے اور تشدد اور تعذیب کا نشانہ بنائے جا رہے تھے، ایک صحابی حضرت خبابؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ، اللہ کی مدد کب آئے گی؟ تو آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا کہ ”اے خبابؓ! جانتے ہو تم سے پہلے اہل حق پر کیسے کیسے مظالم ہوئے ہیں۔ ان کو لوہے کے آرے سے چیر دیا گیا اور لوہے کی سنگھیوں سے ان کے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا مگر وہ راہ حق سے نہ ہٹے۔“ پھر حضورؐ نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے: ”خدا کی قسم، وہ وقت ضرور آئے گا کہ ایک سوار صنعا سے حرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہو گا۔“ یعنی اسلام کا نظام غالب اور حکمران ہو گا۔ انصاف کا دور دورہ ہو گا، ہر کسی کو امن و سلامتی کی نعمت حاصل ہو گی اور اطمینان سے جموع و امتنہم من خوفہ کی کیفیت ہو گی۔ اس دور ظلم و ظلمت میں ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا: ”عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے تمکبان جلیا کرے گا۔“ (بخاری، سیرت النبیؐ، شبلی و ندوی، جلد دوم)۔ آپؐ کے چچا ابو طالب نے جب آپؐ کو ایک بار سمجھاتے ہوئے کہا ”جان پدر! اس کلم سے ہاتھ اٹھا لو، تو آپؐ نے فرمایا: محترم! میری تمنائی کا خیال نہ کیجیے۔ حق زیادہ دیر تک تمنا نہیں رہے گا۔ کل عرب و عجم ایک دن حق کے ساتھ ہو گا۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت عدیؓ بن حاتم کا بیان ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ دو شخص کہیں سفر سے آئے۔ ایک نے بھوک کی اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے حضرت عدیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”کیوں عدیؓ! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ (حیرہ ایک مقام کا نام ہے)۔ عدیؓ نے کہا: ”دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں جانتا ضرور ہوں۔“ آپؐ نے فرمایا: ”اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اور اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا ہے اور اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات کر دے لیکن (دولت و کثرت کا یہ عالم ہو گا کہ) کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔“ عدیؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنہوں نے پورے ملک میں آگ لگا رکھی ہے، لیکن پھر خود عدیؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے بہ چشم سر دیکھا کہ ایک پردہ نشین عورت تن تما چل کر آتی ہے اور کعبہ کا طواف کر کے واپس چلی جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ نیز جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں خود عدیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عثمانؓ بن طلحہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں کعبہ کا دروازہ ہفتے میں دو دن یعنی پیر اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریمؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کی نیت سے تشریف

لائے تو کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمانؓ بن ملہ نے درشتی کا مظاہرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل ضبط اور حلم سے کام لیتے ہوئے فرمایا اے عثمانؓ! ایک دن تو اس کعبہ کی چابی میرے ہاتھ میں دیکھے گا اور میں جیسے چاہوں گا اس کو دے دوں گا۔ عثمانؓ نے کہا: اس دن قریش مرجائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے کہ اس دروازے کی کنجی تمہارے ہاتھ میں چلی جائے گی؟“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں“ اس دن قریش کو اور زیادہ عزت حاصل ہوگی۔“ پھر فتح مکہ کے بعد چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ کعبے کی چابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں آئی اور آپؐ نے مکمل حلم و بردباری سے یہ چابی پھر انھی کو سونپ دی اور فرمایا: ”یہ کنجی لو! یہ قیامت تک تمہارے ہی خاندان میں رہے گی۔ ظالم اور جابر کے سوا کوئی اسے تم سے نہیں چھینے کا۔“ حضرت عثمانؓ! کہتے ہیں کہ مجھے حضورؐ کے وہ الفاظ یاد تھے جو آپؐ نے مکہ میں مظلومی کے زمانے میں کہے تھے اور میں نے برملا اعلان کیا: ”یقیناً جو آپؐ نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“

ایک طرف مکی دور کی سختیاں اور مجبوریاں ہیں تو دوسری طرف داعی کا عزم و بصیرت اور مشن اور منزل کا واضح شعور۔ انھی حالات میں معراج کا واقعہ ہوتا ہے جو تحریک اور اس کے مشن کی راہ میں ایک سنگ میل اور اس دعوت کے اصل مزاج اور کردار کا بہترین مظہر ہے۔ جیسا کہ اقبل نے لکھا ہے، آپؐ کا اصل منتہی محض عرفان ذات نہ تھا بلکہ رسول عربیؐ کا اصل مشن رب کائنات سے اتنے قرب اور نور الہی سے بلا واسطہ فیضیاب ہونے کے بعد جو روشنی حاصل ہوئی تھی، اس سے دنیائے انسانیت کو منور کرنا تھا۔ ایک عظیم صوفی بزرگ مولانا عبدالقدوس گنگوہی کے تاریخی جملے: ”اگر میں حضورؐ کی جگہ ہوتا تو ذات ہاری کے اتنا قریب پہنچنے کے بعد واپس نہ آتا“ پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبل نے ”اسلامی اہیات کی تشکیل جدید“ میں صحیح کہا ہے کہ نبیؐ کے تصور دین اور محدود مذہبیت کے تصور میں یہی فرق ہے۔ ایک اپنی ذات کے عرفان کا متلاشی ہے اور دوسرا معرفت ذات کے بعد انسانیت کی تخلیق نو اور ایک نئے انسان، نئے معاشرے اور نئی تاریخ کی تعمیر کو اپنا نصب العین بناتا ہے اور یہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کارنامہ ہے۔ دیکھیے خود قرآن اس پر کس طرح دلالت کرتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی جن آیات میں واقعہ اسراء بیان ہوا، وہیں دعوت نبوی اور اسلامی تحریک کا عالمی منشور پیش کیا گیا ہے کہ اللہ کا یہ فرستادہ بندہ ان بلندیوں کو چھونے کے بعد اب انسانیت کو بلندیوں کی طرف بلانے اور نئے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے گا۔ ہجرت کا اشارہ بھی انھی آیات میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی زبان پر اس وقت جو دعا جاری و ساری فرمائی ہے وہ منی دور کی پیش بینی اور اسلام کے لیے اقتدار اور قوت کی بشارت کی خبر دیتی ہے۔ وَقُلْ رَبِّ اَدْعِلْتِيْ مَدْعَلٍ صِدْقِيْ وَاخْرِجْنِيْ مَخْرَجٍ صِدْقِيْ وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زُهُوقًا (بنی اسرائیل ۸۰:۱۷) اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکل سچائی کے ساتھ نکل اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔“

ہجرت کے واقعے پر غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ گو اللہ کا برگزیدہ رسول اپنے مولد اور وطن کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور دشمن اس کا پیچھا کر رہے ہیں لیکن اس کے عزم اور اس کے وژن کا حل یہ ہے کہ سراقہ بن جحشم جب تعاقب میں ناکام ہو جاتا ہے اور گھوڑے کے بار بار زمین میں دھنسنے سے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا تو وہی جو آپ کو گرفتار کرنے آیا تھا، آپ سے عفو و ان طلب کرتا ہے اور آپ نہ صرف اسے ان دیتے ہیں (جو فی الحقیقت فتح مکہ پر اس کے کلام آئی) بلکہ فرماتے ہیں: ”اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہوگی جب تو کسریٰ کے ننگن پہنے گا۔“ یعنی ایران کی فتح اور اس وقت کی ایک سو پر پاور پر اسلام کا غلبہ داعی کو صاف نظر آ رہا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں وہی ہوا جس کی آپ نے پیش گوئی کی تھی، حتیٰ کہ کسریٰ کے ننگن سراقہ کے ہاتھوں کی زینت بنے۔۔۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبی ثانی میں جو عہد و پیمان ہوئے ہیں ان پر غور کیجیے۔ اللہ کا رسول ایک پنہ گزین کی حیثیت سے نہیں ایک آقا اور سربراہ کی حیثیت سے مہینہ جاتا ہے اور جان نثاروں کے اس عہد کے ساتھ جاتا ہے کہ انصار مدینہ اس کی خاطر ساری دنیا کی دشمنی مول لیں گے اور ان کی تلواریں اس دین اور اس کے نبی کا دفاع کریں گی۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں جو عہد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے: ”ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، کسی کے خلاف جلتے بوجھتے کوئی من گھڑت بہتان نہیں اٹھائیں گے اور کسی معروف معاملے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔“ بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر جب عہد و پیمان ہو گیا تو حضرت سعد بن زرارہ نے صاف الفاظ میں اعلان کیا: ”بھائیو! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے۔“ سب نے کلمہ ”ہاں“ ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔“

مدینہ میں آپ سربراہ مملکت تھے اور مدینہ کی ریاست کے دستور (جو تاریخ انسانی کا پہلا تحریری دستور ہے) کے تحت حضور اکرمؐ تمام معاملات میں صرف اللہ ایمان ہی کے لیے نہیں، یہودی قبائل اور پوری آہودی کے لیے آخری اتھارٹی تھے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو سمیٹ کر مشارق و مغارب کے کونے مجھ کو دکھا دیے۔ پس جہاں تک میں نے دیکھا وہاں تک میری امت کی حکمرانی پہنچ جائے گی۔“ خندق کی کھدائی کے موقع پر آپ نے کسریٰ کے شہر اور قیصر کے علاقوں پر اسلام

کی فتح کی جھلک دیکھی اور بالآخر یہ دونوں سوپر پاورز اسلام کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔
دعوت رسالت اور غلبہ حق کے یہ سارے نقوش اسی ایک سنت کبریٰ کا حصہ ہیں اور جب تک مسلمان
دین اور دنیا کی وحدت، دعوت اور جملہ کی ہم آہنگی اور تقویٰ اور اقتدار کی یک رنگی کے علم بردار رہے، وہ روشنی
برابر بڑھتی رہی جو حراسے نکل کر مدینہ اور مدینہ سے بڑھ کر چار دانگ عالم میں پھیل گئی تھی۔ کیا غضب ہے
کہ آج اس سنت کبریٰ کو کچھ ارباب مذہب ”سیاست“ کا نام دیتے ہیں اور کار نبوت سے اس کی نسبت پر
شرسار ہیں۔ حیف۔

اسی قرآن میں ہے اب ترکِ جہل کی تعلیم
جس نے مومن کو بتلایا وہ پرویں کا امیر

اور

خود بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ قیمنِ حرم بے توفیق

سنت نبویؐ میں دین و دنیا کی جس وحدت اور ایمان اور اقتدار میں جس ہم آہنگی کا نمونہ پیش کیا گیا ہے
وہ دنیا پرستی اور قوت و حکمرانی کے اس ماڈل سے بالکل مختلف ہے جو ہمیں دنیا کی دوسری تہذیبوں میں نظر آتا
ہے۔ یہاں اگر قوت و اقتدار قیام حق کی جدوجہد کا ایک لازمی حصہ اور مرحلہ ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ
قوت اور یہ اقتدار اخلاق کی بلا دستی، دعوت دین، رب کی اطاعت اور انسانوں کی خدمت کی شرائط سے مشروط
ہیں۔ دنیا اور اقتدار خود مطلوب نہیں۔۔۔ ان کا حصول صرف دعوت رب کے ذریعے اور دعوت رب کی
خاطر ہے۔ اس کا بہترین مظہر وہ مکالمہ ہے جو قریش کے سرداروں اور نبی برحقؐ کے درمیان ہوا۔ جب قریش
نے دیکھا کہ لوگ حضورؐ کی دعوت کی طرف لپک رہے ہیں تو اس سے زیادہ پہنچ ہی نہیں سکتے تھے جو
انسان کی خالص دنیوی اور طبیعی سطح کی معراج ہے۔ وہ سمجھوتے کی دعوت لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ ان
کی سوچ بس یہیں تک جا سکتی تھی کہ انسان ساری تک و دو کس لیے کرتا ہے۔۔۔ دولت، حسن، اقتدار،
انہوں نے آپؐ کو تینوں کی پیش کش کی اور یہ پیش کش دعوت کو ترک کر دینے سے مشروط تھی۔ وہ آپؐ کو
دولت سے ملا مل کرنے کو تیار تھے، خوبصورت ترین خاتون آپؐ کے نکاح میں دینے کے لیے آمادہ تھے،
آپؐ کو سرداری اور اقتدار پیش کر رہے تھے۔ لیکن جو قوت، دولت اور اقتدار آپؐ کے پیش نظر تھا وہ
دعوت کے ذریعے اور دعوت کے لیے تھا۔۔۔ دعوت کو ترک کر کے محض اپنی ذات کے لیے نہیں۔ آپؐ
نے صاف کہہ دیا:

”مجھ کو مل و دولت کی تمنا نہیں، شہرت اور بادشاہت میرا مقصد نہیں، میں ہوس کا بھی شکار نہیں اور نہ کوئی اور شکایت مجھے ہے۔۔۔ میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تم کو غفلت سے چونکا دوں، برائی کا برا انجام بتا دوں اور نیکی کا نیک انجام بھی سنا دوں، اور تمہیں تمہارے رب سے ملا دوں۔“

جب ابوطالب نے کہا: ”بھتیجے، یہ قوم کے مالدار اور سردار لوگ ہیں، انہیں تم سے شکایت ہے۔ نہ تم ان کے دیوتوں کو کچھ کہو، نہ یہ تم کو اور تمہارے خدا کو کچھ کہیں۔“ آپ نے فرمایا: چچا جان! جو چیز ان کے لیے بہتر ہے کیا میں اس کی طرف بلانا چھوڑ دوں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ زبان سے ایک فقرہ کہہ دیں۔۔۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔۔۔ اگر یہ راضی ہو جائیں تو پورا عرب ان کے تابع ہو گا اور ساری دنیا ان کے قدم چومے گی۔“ آپ نے فرمایا: ”عم محترم! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو یہ کام پورا ہو گا، یا میری جان بھی اس راہ میں کام آئے گی۔“

مقصد دولت، اقتدار یا غلبہ نہیں، اللہ کی بندگی اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا اور صرف ایک اللہ کی بندگی میں لانا تھا اور دولت، قوت، اقتدار اور غلبہ ہر چیز کلحمتہ اللہ العلیٰ کے لیے تھی، خود مقصود نہ تھی۔ یہی وجہ ہے حکمرانی کا جو نمونہ حضور نے پیش فرمایا وہ بادشاہوں اور دولت اور اقتدار کے پیچاریوں والا نہیں، اللہ کے ایک مطیع بندے اور اللہ کے بندوں کے خادم اور خیر خواہ کا تھا۔

حاتم طائی کے بیٹے عدیٰ عیسائی تھے۔ انہوں نے حضور اکرم کے جو حالات سنے، خصوصیت سے آپ کے نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست کے حکمران ہونے کے بارے میں، تو شک میں پڑ گئے کہ آپ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ جب وہ اپنے قبیلے کا وفد لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عین اس وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض سے دربار نبوت میں آئی اور لوگوں سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، اس کی بات سنی اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدیٰ کہتے ہیں کہ آپ کی تواضع اور ملنساری دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

حضور ایک یہودی عالم کے مقروض تھے۔ اس نے آپ سے تقاضا کیا۔ آپ نے فرمایا: ”اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔“ اس نے کہا ”میں تو قرض وصول ہی کر کے ٹلوں گا۔“ آپ نے فرمایا: ”اچھا پھر میں تمہارے ساتھ ہی بیٹھتا ہوں۔“ چنانچہ آپ ظہر سے فجر تک اس کے ساتھ بیٹھے رہے۔ صحابہ نے اس یہودی کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمت علیٰ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں! لیکن خدا نے مجھے منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا کسی اور شخص پر ظلم

کروں۔“ جب تھوڑا اور وقت گزرا اور دن ذرا چڑھا تو اس یہودی عالم نے کلمہ پڑھا اور کہا میں اپنی جائیداد کا نصف خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ میں نے یہ گستاخی اس لیے کی تھی کہ تورات میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں بلاشبہ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔

یہ ہے سنت نبوی میں حکمرانی اور اقتدار کا نمونہ۔۔

سروری در دین ما خدمت گری است عدل فاروقی و فقر حیدری است

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سلانِ اوست بحرور در گوشہ دامنِ اوست
ہمارے دین میں سروری خدمت گری کا نام ہے۔ (ہمارے دین میں) حضرت عمر فاروقؓ کا ساعدل اور حضرت علیؓ کا سافقر ہے ○ جو محض عاشق رسولؐ ہے اس کے دامن میں بحرور کی تمام اشیا ہیں (وہ ساری کائنات پر حکمران ہوتا ہے)۔

وعوت، تزکیہ، خدمت، اصلاح بین الناس، عدل و انصاف، دادرسی اور کرم گستری، یہ ہے سنت نبویؐ میں قوت و اقتدار کا مزاج اور غلبہ دین کا حاصل اور پیغام۔ جب تک مسلمان سنت خیر الائمہ کے اس مرکزی نکتہ کو ایک بار پھر حرز جاں نہیں بنا لیتے، وہ تاریخ میں اپنا حقیقی کردار ادا نہیں کر سکتے۔ اقبل نے اپنے ۱۹۳۰ء کے تاریخی خطبہ صدارت میں تصور پاکستان کا لوہا ہی نقشہ ہی پیش نہیں کیا، اس میں اسلام کے انسان ساز اور تاریخ گر کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اور ایمان کو ایک ایسے روحانی تجربہ کے طور پر پیش کیا ہے جو انسانی معاشرے کی الہامی ہدایت کی روشنی میں تنظیم نو کرتا ہے اور پھر تاریخ کے اس زریں سبق پر توجہ کو مرکوز کیا ہے کہ:

"One lesson I have learned from the history of Muslims: at critical moments in their history it is Islam that has saved Muslims and not vice versa".

”میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تاریخ کے تمام نازک اور فیصلہ کن لمحات میں مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔۔۔ یہ اسلام ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا اور تحفظ اور زندگی فراہم کی ہے۔“

اور جیسا کہ امام مالکؒ نے کہا کہ مسلمانوں کو ان کے بعد کے دور میں بھی ترقی اور بلندی اسی چیز سے حاصل ہو سکتی ہے جس سے ان کو پہلے دور میں عزت اور سر بلندی میسر آئی تھی۔۔۔ یعنی قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

اس کے ری پرنٹ خوبصورت سرورق کی ساتھ / ۳۰۰ روپے سیکڑہ طلب کیے جاسکتے ہیں۔

منشورات، منصورہ، لاہور